تحقیق وتنقیدِ متن کے تقاضے

عطا اللہ عطا

Abstract:

Textual criticism is the branch of research that demands a lot of skill and mental strength from researcher especially in the case of Urdu literature. Unfortunately we have observed in the past that except for a few researchers, the majority of the people have failed to come up to the task of textual criticism. This article suggests which characteristics a textual critic should possess in order to be able to edit and compile reliable text for further analysis.

تحقیق کا فن دریافت، تجزیے اور استدلال سے نتائج اخذ کرنے کا فن ہے۔ متن تحقیق کی بنیاد ہے۔ ادبی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے جب ایک محقق مختلف اصناف ادب، ادوار یا شخصیات کا تجزیہ کرتا ہے تو اسے اکثر ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں متن کی طرف خارجی شواہد سے اشارات ملتے ہیں لیکن متن بذات خود مرور ایام اور کشاکش روزگار سے منظر عام سے غائب ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ دریافت کا ہے۔ اس کی مثال خواجہ مسعود سعد سلمان کا دیوان ہندی ہے جس کی موجودگی کا ذکر ملتا ہے۔ مگر دیوان کا کوئی نسخہ فی الحال کہیں نظر نہیں آتا۔ متن کی دریافت کے بعد اس کے تجزیے، اس کے اصلی ہونے یا نہ ہونے کے ثبوت کی فراہمی اور تاریخ میں اس کے مرتبے اور مقام کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ سارے مراحل محقق متن سے کچھ مخصوص صلاحیتوں اور خوبیوں کا تقاضا کرتے ہیں۔ خصوصاً متن کی تدوین اور تحقیق ایسا فن ہے جو اپنی نہاد میں پیچ در پیچ الجھنوں اور مسائل کا حامل ہے۔ اس لئے تحقیق متن کو ادبی تحقیق میں ایک الگ شاخ کی حیثیت حاصل ہے۔ جے۔ اے کڈن نے ''متنی تنقید'' (Textual criticim) کے بارے میں لکھا ہے۔

> "A branch of scholarship which is devoted to the study and analysis of extant texts in order to determine

authorship and authentically and where there is a multiplicity of texts of on work to determine which one is the "best" or the "original". [1]

یعنی متنی تنقید علم کی وہ شاخ ہے جو قدیم متون کے مطالعے اور تجزیے سے مخصوص ہے۔اس کا مقصد متن کے مصنف کا تعین، استناد اور جہاں ایک ہی کام کے ایک سے زیادہ نسخے ہوں وہاں یہ طے کرنا ہے کہ کون سا نسخہ بہترین یا اصلی ہے۔

اگر اس بیان کا تجزیہ کریں تو تحقیق متن کے عملی مسائل سامنے آتے ہیں۔ ایک محقق کیلئے ان مسائل سے عہدہ برآمد ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم محقق متن کی خصوصیات کا تجزیہ کرنے کے خواہشمند ہو تو ہمیں سب سے پہلے ان مسائل کا جائزہ لینا ہوگا۔ جو قدیم متون کی تدوین کے مراحل میں متوقع ہو سکتے ہیں۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے راستے کی مشکلات کا اندازہ ہو تو زادِ سفر کی تدبیر آسان ہو جاتی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ادبی تحقیق دیگر علوم کے مقابلے میں صرف خیالات تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقصد ان خیالات کی ترسیل کیلئے استعمال ہونے والی زبان کا تعین بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

''ادبی امور کی تحقیق کرنے والا صرف نفس مضمون اور افکار ہی کی تحقیق و تصدیق نہیں کرتا بلکہ ان کی اصل زبان بھی متعین کرتا ہے۔'' [۲]

زبان کا یہ تعین اس لئے ضروری ہے کہ ادب میں زبان مقصود بالذات ہوتی ہے۔ یہ محض خیالات کی ترسیل کا ایک ذریعہ ہی نہیں بلکہ تاریخی اور تہذیبی ورثہ بھی ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کسی قوم کے تہذیبی ارتقاء کے نشیب و فراز کا عکس جھلکتا ہے۔ ہر قوم اپنے تہذیبی اور تمدنی سفر میں تاریخ کے دھندلے راستوں پر کچھ نقوش مرتسم کرتی ہے۔ یہ نقوش مختلف تہذیبوں کے اختلاط اور تصادم کے نتیجے میں سامنے آنے والی تبدیلیوں کا نتیجہ بھی ہوتے ہیں اور ان کے شارح بھی۔ ادب میں جہاں بدلتے ہوئے خیالات اور رجحانات کسی قوم کے کلچر کے ارتقاء کے مظہر ہوتے ہیں وہاں زبان اس قوم کی علاقائی اور تہذیبی تبدیلیوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ چنانچہ ایک محقق جب تاریخ کی گرد سے برآمد ہونے والے کسی مخطوطے کا جائزہ لیتا ہے تو سب سے پہلے اس کی زبان کا تجزیہ کرتا ہے۔ مخطوطے کی اصلیت جانچنے کیلئے زبان پہلا داخلی حوالہ ہے۔ لیکن زبان جامد نہیں ہوتی۔ اس کا براہ راست تعلق اس تہذیب سے ہوتا ہے جہاں یہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ جیسے جیسے تہذیب بدلتی ہے زبان میں اضافے اور ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ یہ ترمیم صرفی اور نحوی دونوں سطحوں پر ہوتی ہے۔ شاعری اور نثر میں علم کلام اور علم بدیع کے انداز تبدیل ہو جاتے ہیں۔ طرز املا کے بدلتے ہوئے رجحانات اس پر مستزاد ہیں۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے تحقیق متن کے دوران زبان کی قدامت اور املا کے مسائل کے ضمن میں چودہ ایسے مسائل بیان کئے ہیں جن سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔ [۳]

اس لئے کسی متن کے محقق کیلئے اپنی ذات میں سب سے پہلے یہ خصوصیت پیدا کرنی چاہئے کہ وہ متن اور اس کے متعلق عہد کی زبان کے مسائل سے واقف ہو۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند رقمطراز ہیں۔

''مدون متن کو اس عہد کی زبان، متروک الفاظ ان کے تلفظ نیز رسم الخط اور املا کی واقفیت ضروری ہے۔ دکنی متون کی ترتیب کیلئے دکنی الفاظ اور ان کے معانی سے ماہرانہ واقفیت لازمی ہے۔''[۴]

اس سلسلے میں وہ مدون متن کو متعلقہ دور کی زبان کے تلفظ' املا اور رسم الخط کی علاقائی خصوصیت کے عرفان اور اس علاقے کے دوسرے مخطوطات دیکھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ڈاکٹر نذیر احمد اس سلسلے میں مزید شدت سے کام لیتے ہیں لکھتے ہیں:

''ہر محقق کیلئے لازم ہے کہ وہ زبان کی ہر دور کی خصوصیات کو جانتا ہوتا کہ مصنف کے دور کے تعین میں آسانی ہو۔ اس کے اس علم سے فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ نامانوس اور ناآشنا لفظوں کا صحیح تعین کر سکے گا۔''[۵]

ڈاکٹر نذیر احمد نے طرز املا اور تاریخ خط سے واقفیت کو محقق متن کیلئے پہلی ضروری صلاحیت قرار دیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کسی محقق میں زبان اور طرز املا وغیرہ کی پہچان کی یہ صلاحیتیں صرف اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہیں جب اسے ادب اور زبان کے مطالعے سے گہری دلچسپی ہو۔ یہ دلچسپی صرف ذوق اور محظوظ ہونے تک محدود ہو تو کافی نہیں۔ ادب اور ادبی رجحانات کے بارے میں ایک مخصوص تجسس محقق کی رہنمائی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں علم عروض اور طبع موزوں بھی الفاظ کے تعین میں' بالخصوص شاعری کی تدوین کرتے ہوئے معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

تحقیق متن کے سلسلے میں تقریباً محققین اس بات پر متفق ہیں کہ محقق متن کو موزوں طبیعت کا حامل ہونا چاہئے۔ طبیعت کی موزونیت فطری عمل ہے۔ اگر کوئی محقق یہ سمجھتا ہے کہ وہ فطرتاً طبع موزوں کا مالک نہیں ہے اور شعر کے وزن کا شعور نہیں رکھتا تو اسے ازخود کم ازکم شاعری کی تدوین کا کام اپنے ذمے نہیں لینا چاہئے۔ اگر ایسا کیا جائے تو اس کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے؟ ذیل میں دی گئی مثال سے واضح ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کا نام اُردو ادب کے استاد اور نقاد کی حیثیت سے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انہوں نے انیسویں صدی کے فورٹ ولیم کالج سے تعلق رکھنے والے شاعر مظہر علی خان ولاؔ کا دیوان مرتب کیا جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ خاصا ضخیم دیوان ہے۔ میں نے اس دیوان کے ابتدائی حصے کا مطالعہ کیا تو جا بجا بے وزن اشعار اور سکتے نظر آئے۔ دیوان کے تقریباً ابتدائی سو صفحات قصیدوں پر مشتمل ہیں۔ کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

''مجھے علم لدنی کا حق نے مرتبہ بخشا (؟؟؟)
کہ ادنی ہے تیرے منبر کا پایہ عرش ربانی'' ص ۳۴
''ہر اک اس مطرب پسر کی ہے صدا پر لوٹ پوٹ'' ص ۱۲۰

اسی طرح

''جو نیم نگہ سے کرے ہے قتل اک عالم'' ص ۱۲۱

''ہر اک'' اور ''قتل اک عالم'' میں سکتہ ہے۔

غزل کا ایک مطلع یوں درج ہے۔

جب ہو نہ کسی رنگ سے یہ زخم جگر کا (یہ؟)
پھر کیونکر تھمے اشک بھلا دیدہ تر کا ص۱۲۲

''کیونکر'' کی حدت تو کتابت کی غلطی کا امکان ہوسکتا ہے کہ ''کیونکہ'' کو ''کیونکر'' لکھ دیا گیا۔ مگر تین صفحات کے بعد ایک ایسی غزل نظر آئی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ یہ درست ہے کہ ''خطائے بزگاں گرفتن خطا است'' مگر ایک طالب علم کی حیثیت سے اس غزل کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔ غزل ملاحظہ ہو۔

کیونکہ دل مالوف ہووے اس بت طناز کا
جب کلام آٹھوں پہر ہو گوش زد غماز کا
ہو گیا دل فریفتہ کس کی ادا و ناز کا
لعبت چین ہے وہ بت یا کہ صنم طراز کا
گاہ ادا و غمزہ ہے گاہ نگاہ عشوہ ہے (گاہے؟)
کیونکہ یہ دل حریف ہو ایسے کرشمہ ساز کا

کب کا لٹا چکاولا مایہ صبر و دین و دل
کہئے کہ ترک غمزہ کو فائدہ تر تاز کا؟ [۶]

غزل کا مطلع بحر رمل مثمن مخذوف میں ہے۔ جس کے ارکان ہیں۔

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

تقطیع ملاحظہ ہو:

کیوکِ دل ما	لُوف ہووے	اُس بُت طَن	ناز کا
جب کلاما	ٹو پہر ہو	گوش زَدغم	ماز کا

باقی چاروں اشعار (کچھ اشعار طوالت کے خوف سے درج نہیں کئے گئے) مختلف بحر میں ہیں۔ یعنی بحر رجز مطوی مجنون مذال میں۔ تقطیع دیکھیں:

ارکان:	مفتعلن	مفاعلن	مفتعلن	مفاعلان
تقطیع:	کب کا لٹا	چکاولا	مایہ اے صب	ردین ادل
	کہئے کتر	کِ غم زگو	فا ادا تر	کِ تاز کا

علاوہ ازیں تیسرا شعر بے وزن ہے ''گاہ'' کی جگہ ''گاہے'' ہونا چاہیۓ۔ غزل واضح طور پر دو بحروں میں لکھی گئی۔ ایسا کیوں ہوا۔ اس کا سبب بھی غزل میں موجود ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے پر غور کریں بظاہر یہ ذو بحرین ہے۔ یعنی اس کی تقطیع بحر رمل اور بحر رجز دونوں میں ہوتی ہے۔ یعنی

فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلان
ہو گیا دل	فیفتہ کس	کی اداء	ناز کا

(''ر'' گرا کر جو ناجائز ہے)

اور مفتعلن	مفاعلن	مفتعلن	مفاعلان
ہو گیا دل	فریفتہ	کس کی ادا	اناز کا

(''گیا'' کا الف کھینچ کر)

اب غالباً مطلع تحریر کرنے کے بعد شاعر نے یہ مصرعہ کہا اور باقی غزل کسی اور وقت کیلئے اٹھا رکھی۔ عدم توجہ یا کسی اور ممکنہ سبب سے غزل کا بقیہ حصہ اس مصرعے کی دوسری تقطیع کے پیش نظر مکمل کیا گیا۔ مدون' کم از کم درج بالا مثالوں کے پیش نظر' غیر موزوں طبیعت کا مالک ہے۔ اس لئے سمجھ نہیں سکا ورنہ کہیں نہ کہیں حواشی میں یا مقدمے میں اس امر کا ذکر ضرور ہوتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دس بارا صفحات کے بعد یہی غزل دوبارا نظر آتی ہے اور اس بار مطلع کے بعد نئے اشعار نظر آتے ہیں۔

درج بالا مثال سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ مدون متن کیلئے طبع موزوں اور علم عروض کا بنیادی تعارف کس قدر ضروری ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے قاضی عبدالودود کا ایک قول نقل کیا ہے:

> ''ناموزوں شعر نقل ہو تو یہ صراحت ضرور کر دی جائے کہ اس میں سقم ہے ورنہ پڑھنے والا اگر یہ سمجھے کہ قائل کے نزدیک شعر میں کوئی عیب نہیں تو یہ اس کا قصور نہ ہوگا۔''[۷]

ایک محقق کیلئے متعلقہ دور کا تاریخی مطالعہ بھی بے حد ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادبی تخلیقات کے پس منظر میں سماجی اور معاشرتی محرکات کارفرما ہوتے ہیں۔ ان محرکات کی روشنی میں تخلیقات کی تقدیم و تاخیر اور معنویت کا دائرہ متعین ہوتا ہے۔ متعلقہ ادیب اور اس کے دور سے لاعلمی کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی تخلیقات کو غلط تاریخی پس منظر کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ڈاکٹر ملک حسن اختر نے اپنی کتاب ''تہذیب و تحقیق'' میں خواجہ احمد فاروقی کی تصنیف ''میر تقی میرؔ' حیات اور شاعری'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ میرؔ کے کلام کی تاریخی ترتیب پر نگاہ نہ رکھنے اور دواوین کے سنین تحریر کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے وہ مغالطّوں کا شکار ہوئے ہیں۔[۸]

اس ضمن میں انہوں نے میرؔ کا درج ذیل شعر نقل کیا ہے جس کے بارے میں خواجہ احمد فاروقی کا خیال تھا کہ یہ میرؔ کی لکھنو سے بے زاری کا ثبوت ہے۔

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

ڈاکٹر ملک حسن اختر لکھتے ہیں کہ یہ شعر میر کے دیوان اوّل میں ہے۔ میر ۱۱۹۶ء میں لکھنؤ آئے جبکہ یہ دیوان اس سے قبل مرتب ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قلمی نسخوں کے زمانے کا تعین ضروری ہے اور محقق کی نظر متعلقہ دیوان کے پس منظر میں کارفرما تہذیبی رویوں اور تاریخی تبدیلیوں پر بھی ہونی چاہیے۔

ڈاکٹر گیان چند نے کسی مت کے محقق کیلئے جن اوصاف کا ہونا ضروری قرار دیا ہے ان میں دلچسپی، وسعت مطالعہ، فارسی زبان کی معلومات، متعلقہ مصنف کے بارے میں معلومات، متعلقہ دور اور مصنف کے معاصر ادب پر دسترس، متروک الفاظ، تلفظ اور املا سے واقفیت، مختلف اصناف کی ہیتی خصوصیات، عروض اور علم قافیہ، بدیع، کلام اور تاریخ گوئی کا علم وغیرہ شامل ہیں۔[۹]

ڈاکٹر نذیر احمد نے قدیم دور میں استعمال ہونے والی سیاہی اور کاغذ کی نوعیت سے واقفیت اور خطاطوں کے تذکروں سے استفادہ کرنے پر بھی زور دیا ہے۔[۱۰]

ڈاکٹر خلیق انجم نے تدوین متن سے پہلے محقق کی تیاری کیلئے کچھ تجاویز دی ہیں جن میں:

۱۔ مختلف عہد کے منتخب نسخوں کا مطالعہ، مختلف تحریروں پر عبور حاصل کرنے کیلئے۔

۲۔ مصنف کے عہد کی زبان پر پوری قدرت۔

۳۔ متعلقہ عہد کی ادبی تاریخ پر پورا عبور۔

۴۔ اس عہد کی سیاسی، سماجی اور مذہبی تاریخ کا مطالعہ۔

۵۔ متن کے مصنف کے حالات زندگی پر پورا عبور۔

۶۔ اس عہد میں پریس رائج ہونے کی صورت میں اخبارات اور رسائل کا مطالعہ۔

۷۔ مصنف کے عہد کی سرکاری دستاویزات کا مطالعہ۔[۱۱]

یہ تمام نکات کسی خاص متن کیلئے خود کو تیار کرنے کے ضمن میں آتے ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مصنف متن کے محقق کو وسیع المطالعہ ہونا چاہئے۔ مجموعی طور پر جائزہ لیں تو ایک محقق متن کیلئے جو خصوصیات لازمی قرار پاتی ہیں ان میں کچھ فطری صفات ہیں اور کچھ اکتسابی۔ مثلاً قدیم متون بلکہ بذات خود ادب سے دلچسپی، لسانیات سے دلچسپی، موزوں طبیعت اور تجسس اور شوق وغیرہ ایسی صفات ہیں جو فطری ہوتی ہیں۔ البتہ زبان، املا، رسم الخط اور تاریخ سے واقفیت ایسے عناصر ہیں جو اکتساب سے بہتر ہو سکتے ہیں۔ الفریڈ ایڈورڈ ہاؤس مین نے اپنے ایک مضمون "The Application of Thought to Textual Criticisne" میں لکھا ہے:

> "To be a textual critic requires aptitude for thinking and willingness to think: and though it also requires other things, these things are supplements and cannot be substitutes. Knowledge is good, method is good, but one thing beyond all other is necessary: and that is to have a head, not a pumpkin, on your shoulders and brains, not pudding, in your head."[12]

یعنی متنی نقاد کیلئے ضروری ہے (یا متنی محقق) کہ اس کی طبیعت میں غور وفکر کرنے کا میلان ہو اور اس کیلئے آمادگی بھی

ہو۔ اگرچہ اس کام کیلئے اور چیزوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے لیکن یہ چیزیں (متنی تحقیق کی) تکمیل کرتی ہیں (غور وفکر کا) متبادل نہیں ہوسکتیں۔ علم اور طریقہ کار کی مہارت اچھی چیزیں ہیں لیکن ایک چیز جو باقی سب سے ماورا ہے' ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے کندھوں پر سر ہو' کدو نہ ہو اور اس سر میں بھیجا ہو بھوسہ نہ ہو۔

غور وفکر دراصل قوت استدلال ہے جو وہبی بھی ہے اور اکتسابی بھی اور تحقیق متن کیلئے از حد ضروری ہے۔ شاید اسی لئے ڈاکٹر تنویر علوی نے مشورہ دیا ہے کہ:

> ''جو لوگ اہتمام تلاش جزئیات نہ کرسکیں اور جن کی طبیعت مسلسل محنت' ذہنی کاوش اور دیدہ ریزی پر آمادہ نہ ہو انہیں اس کام سے دلچسپی کا اظہار نہ کرنا چاہئے۔'' (متن اور روایت متن، مشمولہ: اُردو میں اصول تحقیق، ص۳۵۹)

ڈاکٹر جمیل جالبی اُردو کے اہم ترین محققین میں سے ایک ہیں۔ ''تاریخ ادب اُردو''، ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ''، ''دیوان حسن شوقی''، ''دیوان نصرتی'' اور قدیم اُردو کی لغت وغیرہ ان کے ناقابل فراموش کارنامے ہیں۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی کے ساتھ ایک انٹرویو کے دوران انہوں نے بطور محقق اپنی کچھ ذاتی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ جس کا بیان یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ہم اپنی خصوصیات کی روشنی میں ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ'' کے متن کے سلسلے میں محقق متن کی خوبیوں کا جائزہ لیں گے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں کہ

۱۔ مجھے مطالعے کا شوق اور تجسس ہے۔
۲۔ علم تاریخ میری دلچسپی کا موضوع ہے۔
۳۔ عمرانیات' فلسفہ اور نفسیات سے خاص دلچسپی ہے۔
۴۔ ادب مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔
۵۔ شاعری پڑھنے کا جنون ہے۔
۶۔ قدیم ادب اور جدید ادب دونوں میرے لئے اہم ہیں۔
۷۔ انگریزی ادب گزشتہ پچاس سال سے زیر مطالعہ ہے۔
۸۔ تحریکیں' روایتیں' رجحانات' تجزیہ و مطالعہ کے انداز' لکھنے کے رسالیب ذہن میں محفوظ ہیں۔
۹۔ لسانیات سے گہری دلچسپی ہے۔
۱۰۔ اشتقاق اور لفظوں کے معنی تلاش کرنے اور متعین کرنے سے گہری دلچسپی ہے۔
۱۱۔ مشکلات حل کرنے میں لطف محسوس ہوتا ہے۔
۱۲۔ موضوع سے متعلقہ دیگر موضوعات کیمطالعہ کی کوشش کرتا ہوں۔
۱۳۔ اپنی جسمانی صحت کا خیال رکھتا ہوں۔ وغیرہ[۱۳]

یہ تمام خصوصیات تقریباً وہی ہیں جنہیں محقق متن کیلئے لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ ان رجحانات کی شدت کا درجہ کم یا

زیادہ ہوسکتا ہے لیکن ان کا ہونا ضروری ہے۔ ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ'' کے متن کی تیاری میں ڈاکٹر جمیل جالبی کو پانچ سال سے زیادہ کا عرصہ لگ گیا۔[۱۴] محقق کی حیثیت سے یہ بات ان کی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کی مظہر ہے۔ مولوی عبدالحق کی خواہش تھی کہ یہ مثنوی کسی طرح پڑھ لی جائے اور پھر شائع کر دی جائے لیکن چالیس سال کی کوشش کے باوجود ان کی زندگی میں یہ خواہش پوری نہ ہوسکی ہے۔[۱۵] وجہ یہ تھی کہ اس مثنوی کے متن کا رسم الخط نسخ ہے جو پڑھنا ازحد مشکل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالی نے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد اس کی پہلی نقل تیار کی جو ناقص تھی۔ پھر دوسری اور تیسرے نقل تیار کی اور افسر صدیقی کی مدد سے اسے موجودہ صورت دی۔ اس عرصے میں انہوں نے مثنوی کا متن مرتب کرنے کیلئے جو مراحل طے کئے وہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ املا کا کوئی معیار کاتب کے پیش نظر نہیں تھا۔ وہ ایک ہی حرف کو مختلف طریقے سے لکھتا ہے' بدخط ہے اور اسے اپنے فن پر قدرت حاصل نہیں ہے۔[۱۶]

۲۔ عربی اور فارسی کے علاوہ اُردو زبان کیلئے مخصوص آوازوں کے اظہار کیلئے کوئی اصول نہیں۔ کاتب نے اپنی مخصوص علامتوں سے ان آوازوں کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہیں یہ علامتیں ہیں اور کہیں نہیں ہیں۔ مثلاً ایک شعر کے پہلے مصرعے میں ''اکھر'' کو کاف سے لکھا ہے دوسرے مصرعہ میں ''اکھر'' کے کاف کے نیچے تین نقطے لگا کر گاف بتایا ہے۔[۱۷]

۳۔ اعراب کا استعمال کثرت سے ہوا ہے اور اس میں بھی احتیاط نہیں برتی گئی۔

۴۔ جزم کیلئے ''ہ'' کا نشان ہے۔ ایسے سہ حرفی الفاظ کے تیسرے کو جن کا صرف پہلا حرف متحرک ہو زبر کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً درد' کو اس طرح سے ''دَرْ دَ'' لکھا جانا چاہئے۔[۱۸]

۵۔ ہائے معروف ومجہول میں کوئی فرق روانہیں رکھا گیا مثلاً ''نہ بولے'' کو ''بنولی'' لکھا گیا ہے۔

اور اسی نوعیت کے بہت سے مسائل ان کے سامنے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''ادبی تحقیق'' میں الفاظ کی ایک فہرست دی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''مثنوی'' کدم راؤ پدم راؤ'' کے مخطوطے کے املا کو متن میں کیسے ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً آن کی یا (آنکھیا یعنی کہا) دیتی (دیتا) کھرئی تھے (کھڑا تھا) وغیرہ۔[۱۹]

ان مثالوں کو دیکھیں تو مدون کے شوق' قابلیت اور تجسس کی داد دینا پڑے گی جس نے اس مثنوی کو پڑھ کر ترتیب دینے میں کامیابی حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مثنوی کا صرف متن ہی ترتیب نہیں دیا بلکہ مضبوط استدلال اور داخلی اور خارجی شواہد کی مدد سے اس کے زمانہ تصنیف' مصنف کے نام اور حالات' مثنوی کی قدامت' لسانی مطالعہ' تلمیحات اور اس پر مختلف زبانوں کے اثرات کے حوالے سے مباحث بھی دیئے ہیں۔ اس مثنوی کی تدوین محقق متن کی صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا وہ درحقیقت ایسے رہنما اصول ہیں جو ہر محقق متن کیلئے ضروری ہیں۔

حواشی:

[1] J.A. Cuddan: ***Dictionary of Literary terms and Literary Theory***, London, Penguine Books, 992, Page 963

[۲] ڈاکٹر نذیر احمد: ''تحقیق و تصحیح متن کے مسائل''، مشمولہ: **اُردو میں اصول تحقیق**، مرتبہ: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، جلد اوّل، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اوّل، ۱۹۸۶ء، ص ۳۰۵

[۳] ایضاً، ص ۳۰۹-۳۱۳

[۴] گیان چند، ڈاکٹر: **تحقیق کا فن**، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۳۰۰۲ء، ص ۴۰۱، ۴۰۲

[۵] نذیر احمد، **تحقیق و تصحیح متن کے مسائل**، ص ۳۲۱

[۶] مظہر علی خان ولا: **دیوان ولا**، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، لاہور، ادارہ ادب وتنقید، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۴، ۱۲۵

[۷] ڈاکٹر گیان چند: **تحقیق کا فن**، ص ۴۶۶

[۸] ڈاکٹر ملک احسن اختر: **تہذیب و تحقیق**، لاہور، یونیورسل بکس، طبع دوم، ۱۹۸۹ء، ص ۲۰

[۹] گیان چند، ڈاکٹر: **تحقیق کا فن**، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص ۴۰۱، ۴۰۲

[۱۰] ڈاکٹر نذیر احمد: ''تصحیح و تحقیق متن کے مسائل''، مشمولہ: **اُردو میں اصول تحقیق**، ص ۳۲۲

[۱۱] ڈاکٹر خلیق انجم: ''تیاری اور مواد کی فراہمی''، مشمولہ: **اُردو میں اصول تحقیق**، ص ۳۳۱ تا ۳۴۳

[۱۲] http//rosetta.reltech.org/TC/extras/Housman-Thought.html, 10/5/2015 at 21:36

[۱۳] ڈاکٹر جمیل جالبی: **ادبی تحقیق**، لاہور، مجلس ترقی ادب طبع اوّل، ۱۹۹۳ء ص ۳۵، ۳۶، ۳۷

[۱۴] ڈاکٹر جمیل جالبی: **ادبی تحقیق**، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اوّل ۱۹۹۴ء، ص ۹۴

[۱۵] ایضاً، ص ۹۵

[۱۶] ایضاً، ص ۱۱۶

[۱۷] ایضاً، ص ۱۱۷

[۱۸] ایضاً، ص ۱۱۲

[۱۹] ڈاکٹر جمیل جالبی: **ادبی تحقیق**، ص ۱۱۷، ۱۱۸

کتابیات:

اُردو:

۱۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: **ادبی تحقیق**، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اوّل، ۱۹۹۴ء۔

۲۔ حسن اختر، ملک، ڈاکٹر: **تہذیب و تحقیق**، لاہور، یونیورسل بکس، طبع دوم، ۱۹۸۹ء۔

۳۔ سلطان بخش، ایم، ڈاکٹر: مرتب: **اُردو میں اصول تحقیق**، جلد اوّل، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اوّل،

۱۹۸۶ء۔

۴۔ عامر، زاہد منیر، ڈاکٹر: **جہات**، لاہور، کلیہ علوم اسلامیہ اشرفیہ، پنجاب یونیورسٹی، طبع اوّل، ۲۰۰۰ء۔

۵۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر: مرتب: **دیوان ولا**، از مظہر علی خان ولا، لاہور، ادارہ ادب وتنقید ۱۹۸۳ء۔

۶۔ گیان چند، ڈاکٹر: **تحقیق کا فن**، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء۔

۷۔ مالک رام، مرتب: **غبار خاطر** از ابوالکلام آزاد، نئی دہلی، ساہتیہ اکیڈمی، طبع سوم، ۱۹۹۱ء۔

۸۔ مالک رام: **فسانہ غالب**، لاہور، مکتبہ شعر وادب، سن ندارد، رسائل:

۹۔ محمد طفیل: مدیر: **نقوش**، غالب نمبر، لاہور، ادارہ فروغ اُردو، شمارہ ۱۱۳، ۱۹۹ء۔

English:

1. J.A,Cuddon: ***Dictionary of Literary Terms and Literary Theory***, London, Penguine Books, 1992۔